شکیل جمالی

اجالے تیری یادوں کے

۱۲/ مارچ ۱۹۸۰ء کو میں اپنے عزیز ترین دوست اور بچپن کے ساتھی ابن صفی کی عیادت کے لیے کراچی پہنچا تھا۔

۱۶/ اپریل کی رات کو بارہ بجے جب ابن صفی سے گلے مل کر رخصت ہوا تو فوراً میرے کانوں میں ایک بھرائی، ہوئی آواز آئی۔

"آؤ پیارے ایک بار پھر گلے مل لو۔ ابھی میرا جی نہیں بھرا۔"

میں نے مڑ کر دیکھا تو میرا دوست اپنے دونوں بازو پھیلائے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ بے حد اداس تھا اور آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ میں فوراً لپک کر اس کے گلے سے چمٹ گیا۔

بڑی دیر تک ہم دونوں ایک دوسرے کے سینے سے چمٹے رہے۔ وہ مجھے اس طرح اپنی بانہوں میں جکڑے ہوئے تھا جیسے ابھی وہ جدا ہونا نہیں چاہتا۔ میں نے اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے اُسے تسلی دی۔

"اپنا دل چھوٹا نہ کرو اسرار۔ اب تم خدا کے فضل سے بالکل ٹھیک ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ دوبارہ تم سے ملنے کے لیے بہت جلد آؤں گا۔"

ابن صفی نے جواب میں تو کچھ نہیں کہا تھا البتہ اس کے ہونٹوں پہ بڑی اُداس اور پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس وقت تو میں اس کی مسکراہٹ کی زبان نہیں سمجھ سکا تھا لیکن اب ایسا لگتا ہے جیسے اس کی وہ پھیکی سی اُداس مسکراہٹ کہہ رہی تھی۔

"میرے دوست تم ضرور آؤ گے لیکن میں تمھارے آنے کا انتظار نہ کرسکوں گا۔ بس اسے آخری ملاقات سمجھو اسی لیے میں تم سے دوبارہ گلے مل رہا ہوں۔"

اور واقعی وہ ہماری آخری ہی ملاقات ثابت ہوئی۔ ۱۶ر اپریل کی رات کو میں اس سے رخصت ہوا تھا اور ۲۶ر جولائی کو صبح ہوتے ہوتے وہ مجھ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا۔

دوبارہ گلے مل لینے سے شاید اس کا جی بھر گیا ہو لیکن اسے کیا پتا کہ وہ میرے سینے میں کتنی آگ سلگا کر چلا گیا۔ ایسی آگ جو کبھی نہ بجھ سکے گی، جو کبھی نہ ٹھنڈی ہوسکے گی۔ وقت کا ہر جھونکا اس آگ کی لپیٹ کو اور تیز کرتا رہے گا۔

۲۸ر جولائی کی وہ ایک منحوس شام تھی جب کراچی سے بذریعہ تار ہمیں یہ اطلاع ملی کہ ایشیا کا عظیم ناول نگار ابن صفی اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ میری آنکھوں میں یکدم سے اندھیرا چھا گیا اور ایسا لگا جیسے میرے وجود کا کوئی حصہ ٹوٹ کر مجھ سے الگ ہوگیا ہو۔ ابن صفی واقعی میرے وجود کا ایک حصہ تھا جو چالیس سال سے میری ذات میں اس طرح پیوست تھا کہ اس کے بغیر اب میں اپنے کو ادھورا محسوس کر رہا ہوں۔ اپنے کو ٹوٹا ہوا دیکھ رہا ہوں۔

ابن صفی نے تو صرف ایک لمحے میں اپنی زندگی کا سفر تمام کرلیا تھا لیکن میں تو ایک لمحے میں یادوں کی ان تمام قندیلوں کو نہیں بجھا سکتا جو چالیس سال سے روشن ہیں۔ کاش وہ ایک لمحہ جس نے ابن صفی کی زندگی کا چراغ گل کردیا، میرے ذہن میں یادوں کی ان تمام قندیلوں کو بھی بجھا سکتا۔ لیکن یہ قندیلیں تو اب پہلے سے بھی زیادہ روشن اور تابناک ہوگئی ہیں۔

اس وقت جب میں اپنے دوست کے بارے میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں تو میری آنکھیں یادوں کی اس تیز روشنی سے چکا چوند ہو رہی ہیں۔ کچھ نظر نہیں آرہا ہے کہ روشنی کے اس صحرا میں کہاں جاؤں اور کہاں سے یادوں کی اس پھیلی ہوئی داستان کا آغاز کروں۔ مجھے فدوی لینے دیجیے میں اپنے کو بہت زخمی محسوس کر رہا ہوں۔ ذہن کی شاہراہیں بھی سنسان اور ویران ہیں۔ آج لفظوں کا کوئی قافلہ بھی ادھر سے نہیں گزر رہا ہے۔ بس درد و کرب کی تیز آندھیوں کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے لیکن ٹھہریے مجھے آپ کے احساسات کا بھی اندازہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ اپنے اس محبوب ترین مصنف کے بارے میں ضرور کچھ جاننا چاہیں گے جس کی کہانیاں آپ اٹھائیس سال سے پڑھتے رہے ہیں۔ جس کے دل کش اسلوب اور سحر انگیز طرز بیان سے لطف اندوز ہوتے رہے ہیں۔ جس کے دلچسپ اور مزاحیہ جملوں پر قہقہے لگاتے رہے ہیں۔ جس کے تخیل کی بلند پروازیوں پر حیرت کرتے رہے ہیں۔ جس کے جیتے جاگتے کرداروں کی دھڑکنیں اپنے دلوں میں محسوس کرتے رہے ہیں اور تجسس کی ان دلچسپ وادیوں کی سیر کرتے رہے ہیں جہاں پہنچ کر آپ خود اپنے کو بھول جاتے تھے۔

ابن صفی ایک عہد کا نام ہے جس نے اپنی تحریروں سے پوری تین نسلوں کو متاثر کیا ہے۔ مقبولیت کی یہ معراج بڑی مشکل سے کسی مصنف کو حاصل ہوتی ہے۔ آپ کو یقیناً اس عظیم مصنف کی حقیقی زندگی کی ایک جھلک دیکھنے کی ضرور آرزو ہوگی جسے اب تک آپ صرف اس کی تحریروں کے آئینے میں دیکھتے رہے ہیں۔

آج سے ترپن سال قبل الہ آباد کے ایک چھوٹے سے گاؤں "نارہ" میں صفی اللہ صاحب کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا تھا جس کا نام "اسرار احمد" رکھا گیا۔ اس وقت ماں باپ کو کیا پتا تھا کہ جس بچے کا نام وہ "اسرار" رکھ رہے ہیں آگے چل کر وہ اس نام کو اپنے قلم کا عنوان بنالے گا اور اسرار و رموز کی دنیا میں اپنی تخلیقات کے ایسے چراغ روشن کرے گا جو برصغیر کے سری ادب میں ہمیشہ درخشاں رہے گا۔

ابن صفی نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں "نارہ" کے پرائمری اسکول میں حاصل کی تھی اور پھر مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے اپنی والدہ اور چھوٹی بہن بلاغت کے ساتھ الہ آباد آگئے تھے کیونکہ ان کے والد صفی اللہ صاحب اپنی ملازمت کے سلسلے میں زیادہ تر باہر ہی رہتے تھے۔

ابن صفی کی تمام صلاحیتیں ان کی ماں کی طرف سے انھیں وراثت میں ملی تھیں اس لیے کہ ابن صفی کے نانہال میں اہل تصنیف بھی گزرے ہیں۔ حکیم احسان علی مرحوم ابن صفی کے پرنانا تھے۔ انھوں نے متعدد کتابیں طب یونانی پر لکھی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ بہت اچھا علمی و ادبی ذوق رکھتے تھے۔ گھر میں کتابوں کا انبار لگا تھا۔

ابن صفی نے کتابوں کے اسی انبار میں آنکھیں کھولی تھیں، مطالعہ کا شوق بچپن ہی سے پیدا ہوگیا تھا۔ کھیل کود کی

بجائے زیادہ تر وقت کتابوں کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا، اور صرف سات آٹھ سال کی چھوٹی سی عمر میں مشہور و معروف داستان "طلسم ہوش ربا" کی ساتویں جلدیں ختم کر ڈالی تھیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ابن صفی کی ذہانت اور صلاحیتوں کے جوہر کھلتے گئے۔ ۱۹۴۲ء میں جب وہ ڈی اے۔وی اسکول الہ آباد میں ساتویں درجے کے طالب علم تھے تو ہندوستان کی پوری فضا انقلاب کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ انگریزوں سے "ہندوستان چھوڑ دو" کا مطالبہ شروع ہو چکا تھا۔ اس زمانے میں ابن صفی نے بھی (اس وقت ابن صفی صرف اسرار احمد نارویٰ تھے) ایک بہت ہی اچھی انقلابی نظم کہی تھی جو کافی مشہور ہوئی تھی۔ اس کے کچھ اشعار آج بھی میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔

اب چھوڑ بھی دو میرا دامن، للہ نہ روکو جانے دو
وہ دیکھو افق کے سینے پر لہرائے شہیدوں کے دامن
بن جائے گا لالہ زار وطن کچھ دیر میں شہدا کا مدفن
گر راہِ وفا میں کام آؤں، سیندور سے مانگ بھرے رہنا
بندی نہ مٹانا ماتھے کی تم میری راہ تکے رہنا
میں خواب میں اکثر آؤں گا سینے میں آس رکھے رہنا
اب چھوڑ بھی دو میرا دامن، للہ نہ روکو جانے دو

ابن صفی کی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے ہوا تھا اور اس میدان میں بھی انھوں نے اپنی ذہانت اور انفرادیت کی تابناک شمعیں روشن کی ہیں۔

۱۹۴۸ء میں جب برادر محترم عباس حسینی صاحب نے ماہنامہ نکہت کی داغ بیل ڈالی تو ابتدا ہی سے ابن صفی ہماری ٹیم میں شامل ہو گئے اور پھر ۱۹۵۳ء تک باقاعدہ نکہت کے مدیر معاون رہے۔ غزلوں، نظموں اور کہانیوں کے علاوہ جب ابن صفی نے طغرل فرغان کے نام سے طنزیہ و مزاحیہ مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تو اس دور کے اہلِ نظر ان کی اس غیر معمولی صلاحیت پر چونک پڑے تھے۔

ابن صفی نے ایونگ کرسچین کالج سے انٹرمیڈیٹ پاس کیا تھا اور ۱۹۴۷ء میں مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے الہ آباد یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ بی۔اے (سال اوّل) کے طالب علم تھے لیکن کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے وہ الہ آباد یونیورسٹی میں اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکے اور بعد میں انھوں نے آگرہ یونیورسٹی سے بی۔اے کیا۔

ابن صفی کی ہمہ دار شخصیت، مختلف خوبیوں اور صلاحیتوں کی حامل تھی۔ شاعر، ادیب اور طنز نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے اندر درس و تدریس کا بھی خاص ملکہ تھا۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۳ء تک یادگار حسینی اسکول میں ٹیچر تھے اور آج بھی یہ تعلیمی ادارہ ان کی زریں خدمات کا اعتراف کرتا ہے۔ ستائیس سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی ابن صفی کی موت کی خبر سنتے ہی یادگار حسینی انٹر کالج نے ایک تعزیتی جلسے کے بعد اپنے سابق مدرس ابن صفی کے سوگ میں کالج بند کر دیا تھا۔

دنیا میں بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جب وہ اس دنیا سے چلی جاتی ہیں تب یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے لیے کتنی جگہ بنائی تھی اور ان کی شخصیت کتنی قد آور تھی۔ ابن صفی کی ذات بھی ایسی ہی تھی۔ ان کے چلے جانے سے نہ صرف ادبی دنیا میں زبردست خلا پیدا ہوا ہے بلکہ زندگی کے مختلف گوشوں میں سناٹا محسوس ہو رہا ہے۔

جاسوسی ناولوں کا سلسلہ ۱۹۵۲ء میں شروع ہوا تھا اور اسرار احمد نارویٰ ہر ماہ ایک ناول ابن صفی کے نام سے لکھنے لگے۔ اس سے قبل اردو میں صرف تیرتھ رام فیروز پوری کے تراجم پائے جاتے تھے یا دو تین ناول ظفر عمر کے تھے۔ وہ بھی اُن کا تخلیقی کارنامہ نہیں تھا بلکہ مارس لبیلانک کے چند ناولوں کو مقامی رنگ و روغن میں پیش کر دیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اردو جاسوسی ناول نگاری میں ابن صفی ایک عہد کے موجد ہیں۔

پہلا ناول "دلیر مجرم" مارچ ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا تھا اور پڑھنے والے ابن صفی کے نئے دلکش اسلوب اور سحر انگیز انداز بیان پر چونک پڑے تھے.... پھر تو اُن کی صلاحیتوں کی روشنی بڑھتی ہی گئی، پھیلتی ہی گئی۔

ابن صفی کے والد صفی اللہ مرحوم پہلے ہی سے کراچی میں مقیم تھے اس لیے ابن صفی کو بھی ۱۹۵۲ء میں پاکستان ہجرت کرنا پڑی لیکن قلم کا جو رشتہ وہ اپنے وطن کی سرزمین سے منسلک کر چکے تھے اس رشتے سے آخری وقت تک مخلص رہے اور ان کا قلم ملک و قوم کے بٹوارے کی طرح کسی حصے میں منقسم نہیں ہو سکا۔ ان کی نظریں حد بندی کی قائل نہیں تھیں۔ وہ کسی مخصوص سماج اور معاشرے کو قانون کی عظمت و بزرگی کا احساس نہیں گردانتے تھے بلکہ ان کا پیغام دنیا میں پھیلے ہوئے تمام

انسانوں کے لیے تھا اور یہی وجہ ہے کہ ابن صفی نے ہندو پاک میں بیک وقت مقبولیت اور شہرت کی وہ معراج حاصل کر لی جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔

پاکستان جانے کے بعد بھی لکھنے کا سلسلہ اُسی پابندی کے ساتھ جاری رہا۔ ۱۹۶۰ء میں وہ اچانک نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہو گئے اور مسلسل تین سال تک اس بیماری کی وجہ سے ان کا قلم خاموش رہا۔ جاسوسی دُنیا کے صفحات اپنے مصنف کے نئے شاہکار کا انتظار کرتے رہے۔ بالآخر یہ خاموشی ٹوٹی اور ۲۵ نومبر ۱۹۶۳ء کو ابن صفی کا اعلان شدہ ناول "ڈیڑھ متوالے" بھرپور پبلسٹی اور پوری آب و تاب کے ساتھ شائع ہو گیا۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ صرف ایک ہفتے میں اس ناول کا دوسرا ایڈیشن بھی منظرِ عام پر آ گیا۔

پہلے ایڈیشن کی رسمِ اجرا عظیم رہنما آنجہانی لال بہادر شاستری جی کے ہاتھوں ادارہ نکہت میں ہوئی تھی اور ایک ہفتے کے بعد دوسرے ایڈیشن کی رسمِ اجرا اس وقت کے صوبائی وزیرِ قانون عزت مآب علی ظہیر صاحب نے ادا کی تھی۔

قلم کا یہ عظیم سپاہی پھر میدان میں آ گیا اور زندگی کی آخری سانسوں تک قلم ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ان کا آخری شاہکار اتفاق سے "آخری آدمی" ہے جو ابھی شائع نہیں ہوا۔

ابن صفی کراچی کے ایک ماہنامہ "نئے افق" کے مدیرِ اعلیٰ بھی تھے اور اسی ادارے سے ایک ماہنامہ "نیا رُخ" بھی ان کی نگرانی میں شائع ہونے والا تھا۔ چھ شمارے وہ اپنی نگرانی میں مرتب کر چکے تھے اور اس کے لیے ایک خصوصی ناول "شمال کا فتنہ" بھی اپنی علالت کے آخری دنوں میں مکمل کر لیا تھا لیکن افسوس کہ ان کی زندگی میں اس کا کوئی شمارہ نہیں شائع ہو سکا۔

ابن صفی صرف ایک بلند پایہ ادیب و شاعر نہیں تھے بلکہ وہ ایک بہترین انسان، بہترین دوست اور انتہائی ذمہ دار، شریف اور وضع دار شخص تھے۔ ان کے ہونٹوں پر ہر وقت پھیلی ہوئی مسکراہٹ ان کے حسنِ اخلاق کا اعلان کرتی تھی۔ ابن صفی کے سینے میں ایک ایسا دھڑکتا ہوا دل تھا جو ہر شخص کے دکھ درد کو فوراً محسوس کر لیا کرتا تھا۔ نہ جانے کتنے نادار طالب علموں کو وظائف دیتے تھے اور نہ جانے کتنے مجبور و بے کس انسانوں کی مدد کرتے تھے۔

ابن صفی کے چار نہایت ہی ذہین اور ہونہار بچے ہیں۔ بڑا لڑکا ایثار احمد صفی ہے جو روم میڈیکل یونیورسٹی (اٹلی) میں زیرِ تعلیم ہے۔ دوسرا لڑکا ابرار صفی کراچی میں میرین انجینئرنگ کا کورس کر رہا ہے۔ تیسرا لڑکا احمد صفی ہے جو این۔ای۔ڈی انجینئرنگ یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے۔ چوتھا بیٹا افتخار احمد صفی دسویں درجے کا طالب علم ہے۔ ان چار بچوں کے علاوہ ابن صفی کی تین بہت ہی پیاری بچیاں ہیں۔ سب سے بڑی صاحبزادی نزہت کی شادی ہو چکی ہے اور اس کے ایک چاند سا بیٹا بھی ہے "علی میاں" جسے ابن صفی بہت پیار کرتے تھے۔

ان کے الہ آباد کے بہت ہی خاص اور دیرینہ دوستوں میں ڈاکٹر مجاور حسین (ابن سعید) ڈاکٹر راہی معصوم رضا، اشتیاق حیدر، یوسف نقوی، سرور حسین، حمید قیصر، ہمدم جائسی اور نازش پرتاپگڈھی ہیں۔

برادرم محترم عباس حسینی صاحب سے اُن کے جو تعلقات تھے اس کے بارے میں کچھ کہنا ہی نہیں ہے بس ان کا ایک جملہ یاد آ رہا ہے جو انھوں نے "ڈیڑھ متوالے" کی اشاعت کے موقع پر اپنے پیغام میں افواہیں پھیلانے والوں کے سلسلے میں لکھا تھا۔ "ان بے چاروں کو شاید یہ نہیں معلوم کہ ایک درجن کتابیں تو میں عباس حسینی کی مسکراہٹ پر قربان کر سکتا ہوں۔"

ابن صفی کی حیات کا افسانہ اتنا مختصر نہیں ہے کہ چند صفحات میں بیان کیا جا سکے اس کے لیے تو مجھے وقت دیجیے تب میں آپ کو گزرے ہوئے چالیس سال کے لمحات کی وہ کہانی سنا سکتا ہوں جس میں ابن صفی اپنے پورے خدوخال کے ساتھ نظر آئیں گے اور ان کے دل کی دھڑکنیں آپ بہت قریب سے سن سکیں گے۔ یہ تو محض ایک ہلکا سا نامکمل خاکہ ہے۔

میرا دوست تو مجھ سے رخصت ہو گیا ہے لیکن اپنی یادوں کے ایسے اُجالے چھوڑ گیا ہے کہ میں ہمیشہ اسے دیکھتا رہوں گا، اس سے ملتا رہوں گا۔ اس کے قہقہے سنتا رہوں گا، اس سے باتیں کرتا رہوں گا۔ میرے لیے وہ زندہ ہے اور جب تک یہ اُجالے باقی رہیں گے وہ زندہ رہے گا۔

مرسلہ:
ساحرہ سحر، تنویر عادل نجمی کراچی